20

اخلاق کی درستی کے لئے بہترین زمانہ

(فرمودہ ۲۹ مئی ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں نے پچھلے جمعہ میں اخلاق فاضلہ اور اعمال کی درستی کے متعلق ایک ایسے دروازہ کا ذکر کیا تھا جس کے ذریعہ نیک اخلاق انسان کے قلب میں داخل ہو سکتے ہیں۔ وہ نیک اعمال بجالاتا ہے۔ اور جس کے مخالف دروازے بند کرنے سے بد اخلاقی اور بد اعمالی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ آج میں اسی کے متعلق ایک اور اہم امر بیان کرتا ہوں جو میرے نزدیک اس سے بہت زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک اسے مد نظر رکھے بغیر کوئی قوم اپنے اخلاق اور اپنے اعمال کو درست اور صحیح نہیں بنا سکتی۔

قبل اس کے کہ میں اس دوسرے دروازے کی حقیقت کو بیان کروں یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ اخلاق اور اعمال کی درستی کے لئے صرف ارادہ ہی کر لینا کافی نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ مشق اور محنت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ محنت اور مشق کے بغیر محض ارادہ کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ لیکن جہاں ارادہ کے ساتھ محنت اور مشق کا ہونا ضروری ہے اور بغیر محنت مشقت کے محض ارادہ بے فائدہ ہے۔ وہاں پر یہ بات بھی ہے کہ وہ مشق اور محنت بھی خاص حالات اور خاص اوقات سے تعلق رکھتی ہے۔ اور بہترین حالات اور واقعات میں سے جو اخلاق اور اعمال کی درستی کے لئے مناسب اور موزوں ہیں ان میں سے سب سے بڑھ کر بچپن کا زمانہ ہے۔ بچپن کے زمانہ میں جس آسانی کے ساتھ ایک بچہ کسی کسب کو سیکھ سکتا اور اس کے لئے محنت اور مشقت کی تکلیف برداشت کر سکتا ہے۔ بڑی عمر میں برداشت نہیں کر سکتا۔ بچے کے احساسات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ محنت اور مشقت کو بہت کم محسوس کرتا ہے۔ وہ اس خالی پیالے کی طرح ہوتا ہے جس میں ہر ایک چیز ڈالی جا

سکتی ہے۔ بچہ ہر ایک کام کے سیکھنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ اس لئے جس امر کی اس کو مشق کرائی جائے وہ با آسانی کر سکتا ہے۔ مجھے اپنے بچپن کا زمانہ یاد ہے اور وہ حالات اور واقعات بالکل میری آنکھوں کے سامنے ہیں کہ سخت سے سخت تپش اور شدید گرمی کے وقت میں باہر نکل جاتا اور تپش اور گرمی بالکل محسوس نہ کرتا۔ بلکہ مجھے خوب یاد ہے میں اپنے نفس میں اپنے اوپر یہ بڑا ظلم سمجھا کرتا تھا جب مجھے والدہ صاحبہ یا دوسرے نگران گرمی میں باہر نکلنے اور کھیلنے سے روکتے تھے۔ میں اس گرمی میں باہر نکل جاتا اور کچھ محسوس نہ کرتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو خیالات بچپن میں میرے ذہن میں پیدا ہوتے تھے وہی دوسرے بچوں کے دلوں میں بھی پیدا ہوتے ہوں گے۔ جب کہ ان کو گرمی کے وقت باہر نکلنے سے روکا جاتا ہو گا۔ وجہ یہ ہے کہ بچپن میں ایسی باتوں کا احساس نہیں ہوتا۔ تو جس قدر محنت اور مشقت کی تکلیف کو ایک بڑا آدمی محسوس کرتا ہے بچہ اس کو محسوس نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ماتحت اس کے احساسات کو باطل کیا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو کسی امر کے لئے مشق کرنے میں اتنی دقت محسوس نہیں ہوتی اور جن باتوں کی اس وقت مشق کرتا ہے ان کا آئندہ زندگی میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ لیکن جن کی مشق بچپن میں نہ ہو ان میں بڑی عمر میں سخت دقت پیش آتی ہے۔ تین آدمی مجھے ایسے معلوم ہیں جو نماز میں صحیح طور پر تشہد نہیں بیٹھ سکتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بچپن میں ان کو صحیح طور پر تشہد بیٹھنے کی مشق نہیں کرائی گئی۔ یا کسی نے ان کو ٹوکا نہیں تا وہ صحیح طور پر تشہد بیٹھنے کی عادت ڈالتے۔ یا ٹوکنے والوں سے ان کا اس طرح بیٹھنا پوشیدہ رہا اور اب بڑی عمر میں وہ صحیح طور پر نہیں بیٹھ سکتے۔ دو تو نہایت مخلص اور ہماری جماعت میں شامل ہیں اور ایک کا ہماری جماعت سے تعلق نہیں۔ اگر اب وہ چاہیں اور کوشش بھی کریں تو صحیح طور پر تشہد نہیں بیٹھ سکتے۔ تو بچپن کا زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ بچے کے اس وقت کے حالات کے ماتحت اس سے جس قسم کی مشق کرائیں وہ با آسانی کر سکتا ہے۔

لیکن اگر بچپن میں جھوٹ یا چوری وغیرہ کی بد عادات پڑ جائیں۔ تو بڑے ہو کر ان کو کتنے ہی وعظ و نصیحت کئے جائیں۔ کتنا ہی سمجھایا جائے۔ اور کتنی ہی ملامت کی جائے۔ لیکن وہ ان افعال کو برا سمجھتے ہوئے بھی ان میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے ایسے لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور پھر روتے ہیں کہ ہم سے غلطی ہو گئی۔ چوری کرتے ہیں اور پھر افسوس کرتے ہیں کہ ہم سے ایسا ہوا بلکہ میں نے دیکھا ہے انہوں نے خود ہی اپنی غلطی کو محسوس کر کے چوری کا اقرار کیا اور اس کا ازالہ بھی کر دیا۔ لیکن پھر بھی چوری کی عادت سے باز نہیں رہ سکتے۔ تو بچپن کی عادت انسان کے ساتھ جاتی

اور باقی رہتی ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ اس لئے بچپن میں بچوں کو اخلاق فاضلہ کی مشق کرانی چاہیے۔ اس سے آئندہ نسلوں کی حفاظت ہو جائے گی یہ بچپن میں تربیت نہ ہونے کا نتیجہ ہے کہ کئی ایسے آدمی ہیں جو بہت مخلص اور نیک ہیں لیکن بے ساختہ ان کے منہ سے گالیاں نکل جاتی ہیں۔ بعض مصنف ہیں جو مخلص ہیں لیکن باوجود احتیاط کے ان کے قلم سے درشت الفاظ نکل جاتے ہیں۔ اور جب سمجھایا جائے تو نہایت سنجیدگی اور متانت سے کہہ دیتے ہیں ہم نے تو کوئی سخت لفظ نہیں لکھا۔ بچپن کی عادت کا نتیجہ ہے کہ وہ اس فعل کی مضرتوں سے واقف ہوتے ہوئے بھی اس سے بچ نہیں سکتے۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص کی نسبت مجھے خبر دی گئی کہ وہ بہت گالیاں دیتا ہے۔ ایک روز علیحدگی میں میں نے اسے نصیحت کی کہ میں نے سنا ہے آپ بہت گالیاں دیتے ہیں۔ اس سے بچنا چاہیے کیونکہ اس سے انسان کے اپنے اخلاق بھی خراب ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ وہ یہ سن کر بے اختیار نہایت گندی اور فحش گالی دے کر کہنے لگا کون کہتا ہے میں گالیاں دیتا ہوں۔ تب میں نے سمجھ لیا کہ یہ شخص معذور ہے بلا ارادہ گالی اس کے منہ سے نکل جاتی ہے کیونکہ وہ چاہتا نہیں تھا کہ گالی دے مگر بے اختیار اس کے منہ سے گالی نکل گئی اور وہ محسوس بھی نہیں کرتا تھا۔ کہ میں تو اب بھی گالی دے رہا ہوں۔ تو جب انسان کو کسی عیب کی عادت ہو جاتی ہے پھر وہ اس عیب کو عیب ہی نہیں سمجھتا اور اگر سمجھتا ہے تو کرتے وقت اس کو محسوس نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کو اگر سمجھایا جائے تو انکار کر دیتے ہیں کہ ہم نے تو ایسا فعل نہیں کیا۔ مجھے اس بات کا بہت تجربہ ہے۔ کیونکہ ہر روز لوگوں سے معاملہ کرنا پڑتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے بہت لوگ ہیں جو ہمیشہ عیب چینی کرتے ہیں مگر وہ ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے ہیں ہماری عادت نہیں کہ کسی کی عیب چینی کریں۔ مگر یہ بات یوں ہے اور غالباً اگر وہ دن میں ہزار باتیں بھی دوسروں کی غیبت اور عیب چینی کی کریں۔ تو ہر بار وہ ساتھ یہ بھی کہیں گے کہ ہماری یہ عادت نہیں ہے کہ کسی کی عیب چینی کریں۔ حالانکہ سو میں سے پچاس باتیں ان کی عیب چینی کی ہوتی ہیں۔ مگر وہ عیب چینی کرتے ہوئے بھی نہیں سمجھتے کہ ہم عیب چینی کر رہے ہیں۔ اگر بچپن میں ان کی اصلاح اور نگرانی کی جاتی تو ان کی یہ حالت نہ ہوتی۔ غرض بچپن کا زمانہ اخلاق فاضلہ کے سیکھنے کا بہترین موقع ہے۔

اگر کوئی قوم اعلیٰ اخلاق اور پسندیدہ اعمال میں ترقی کر سکتی ہے تو اس کے لئے بہترین ذریعہ یہی ہے کہ وہ اپنی اصلاح کی بھی کوشش کرے۔ مگر اپنی نسل کی اصلاح اور اس کے اخلاق کی خاص نگرانی کرے۔ بچپن کے زمانہ میں جہاں بچہ بہت جلد اور آسانی کے ساتھ اخلاق فاضلہ سیکھ سکتا ہے

وہاں اگر اس کی نگرانی نہ کی جائے اور اس کے اخلاق خراب ہو جائیں تو ایسا خطرناک ہو جاتا ہے کہ دوسرے بچوں کے اخلاق کو بھی بگاڑ دیتا ہے۔ بڑے بڑے آدمی تو چونکہ عیب کو عیب سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں اس لئے اس سے بچنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ لیکن بچوں میں چونکہ نقل کرنے کی عادت ہوتی ہے اس لئے وہ جو کچھ دوسرے کو کرتے دیکھتے ہیں۔ وہی کرنے لگ جاتے ہیں۔ ایک لڑکے کو اگر جھوٹ بولنے کی عادت ہو گی یا گالیاں دینے یا چوری کرنے کی تو جتنے لڑکوں کا اس سے تعلق ہو گا وہ سارے کے سارے ان حرکات میں اس کی نقل کریں گے اور اس طرح وہ بھی جھوٹ بولنے گالیاں دینے اور چوری کرنے کے عادی ہو جائیں گے۔ تو بچپن کا زمانہ نہ صرف یہ کہ اخلاق فاضلہ کے سیکھنے کا بہت بڑا میدان ہے بلکہ دوسروں کے اخلاق بگاڑنے کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہے۔

میرے نزدیک بڑے بڑے لیڈر بھی اپنے لیکچروں اور تقریروں میں ایسے کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جتنا ایک بچہ دوسرے بچوں کو اپنی باتوں سے متاثر کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ میں مذہبی پیشواؤں کو اس سے مستثنیٰ کرتا ہوں۔ کیونکہ ان کے ساتھ ایماء ملائکہ ہوتا ہے۔ جو ان کی قبولیت کو پھیلاتے ہیں۔ ایک بچہ جسے جھوٹ بولنے کی عادت ہے وہ سو یا دو سو لڑکے جھوٹ بولنے والے بہت آسانی کے ساتھ پیدا کر سکتا ہے۔ ایک لڑکا جسے چوری کی عادت ہے وہ با آسانی سو دو سو لڑکا چوری کرنے والا پیدا کر سکتا ہے۔ غرض بچپن میں جن کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں وہ نہ صرف اپنے آپ کو تباہ کر لیتے ہیں بلکہ اوروں کی بھی تباہی کا باعث بنتے ہیں اور بچپن کی عادت کا اس قدر اثر ہوتا ہے کہ بڑے ہو کر ان کی اصلاح مشکل ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے فلاسفر اور سمجھدار ہو کر بھی ان کے سامنے عاجز رہ جاتے ہیں۔ پس اخلاق فاضلہ کے لئے میرے نزدیک سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ اپنی آئندہ نسلوں کی اصلاح اور درستی کی پوری پوری فکر اور نگرانی کی جائے اور یہ بات کوئی معمولی نہیں بلکہ بہت بڑی بات ہے۔

اس کے لئے سب سے پہلا طریق وسطی اور میانہ روی ہے۔ نہ تو بچے پر اتنی سختی کی جائے کہ اسے دوسرے بچوں سے ملنے کا موقع ہی نہ دیا جائے اور نہ اتنی نرمی کی جائے کہ خواہ وہ کچھ کرتا پھرے اس کی نگرانی نہ کی جائے۔ اگر اسے دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے کودنے سے روک دیا جائے گا تو اس سے اس کے اخلاق درست نہیں ہو سکیں گے۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ اس بات کے لئے تیار رہتا ہے کہ بدی اس کے سامنے آئے اور وہ جھٹ اسے قبول کر لے۔ کیونکہ بدی کا مقابلہ ارادہ کی قوت سے ہوتا ہے اور وہ اس وقت تک نہیں پیدا ہو سکتی جب تک بچہ اچھے اور برے

دونوں قسم کے بچوں سے نہ ملے۔ جس بچے کو گھر بند رکھا جائے اور کسی سے نہ ملنے دیا جائے وہ پچاس برس کی عمر میں بھی لڑکا ہی رہے گا۔ کیونکہ اس کی مثال اس کانچ کے برتن کی سی ہو گی جسے ذرا ٹھوکر لگی اور وہ ٹوٹ گیا جب بھی کوئی بدی اس کے سامنے آئے گی۔ وہ مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ لیکن اگر وہ لوگوں سے ملتا رہے تو اس کے اندر شناخت پیدا ہو جاتی ہے کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے۔ اور بدی سے بچنے کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے جن بچوں کی ہمیشہ سختی کے ساتھ نگہداشت کی جاتی ہے وہ بہت کمزور ہوتے ہیں۔ اور وہ اگر نیکی بھی کرتے ہیں تو عادت کے ماتحت نہ کہ بدی کے مقابلہ کی طاقت کی وجہ سے یہی وجہ ہے کہ بدی کے پیش ہونے پر بہت جلد اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جن کو بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے اور کسی قسم کی نگرانی نہیں کی جاتی۔ ان کی مثال ان بھیڑوں کی ہے جنہیں بھیڑیوں کے آگے چھوڑ دیا جائے۔ اگر وہ بد اخلاقی سے بچے رہیں۔ یا ان کی کسی طرح اصلاح ہو جائے۔ تو اس میں ان کے ماں باپ کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ لیکن اگر وہ تباہ ہو جائیں اور ان کے اخلاق برباد ہو جائیں تو اس کے ذمہ دار ماں باپ ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے فرض کی ادائیگی سے غفلت کی اور اپنی اولاد کی کچھ نگرانی نہ کی۔ غرض بچوں کے اخلاق کی درستی میں میانہ روی اختیار کرنی چاہیے۔ نہ تو اتنی تنگی کرنی چاہیے کہ وہ کسی سے مل ہی نہ سکیں اور نہ اتنی آزادی دینی چاہیے کہ وہ جو چاہیں کرتے پھریں اور ان کی کوئی نگہداشت نہ کی جائے۔

بچے عام طور پر اخلاق ماں باپ سے نہیں سیکھتے بلکہ زیادہ تر اخلاق دوسرے بچوں سے سیکھتے ہیں۔ مگر ماں باپ کا یہ پتہ لگاتے رہنا فرض ہے کہ بچے کیا سیکھ رہے ہیں۔ اور یہ کوئی مشکل بات نہیں کیونکہ بچے جو کچھ دوسروں سے سیکھتے ہیں وہ جھٹ ماں باپ کے سامنے بھی کرنے لگ جاتے ہیں اس طرح ان کے عیوب کا فوراً پتہ لگ جاتا ہے۔ اگر ماں باپ عمدگی سے ان کی اصلاح کرنی چاہیں تو بہت آسانی سے کر سکتے ہیں۔ لیکن بہت ہیں جو بچے کی ایسی حرکات پر کہ جو ناپسندیدہ ہوتی ہیں۔ پیار اور محبت کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے اور اگر ایک آدھ دفعہ کہہ بھی دیا تو پھر خیال نہیں رکھتے۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ اگر ان کو ان کے بچوں کے عیب بتلائے جائیں تو وہ لڑنے لگ جاتے اور خوامخواہ اپنے بچے کی تائید کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات بچوں کی لڑائی کی وجہ سے بڑوں میں لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ تو سب سے پہلی اور نہایت ضروری بات یہ ہے کہ ماں باپ بچوں سے ناجائز محبت نہ کریں۔ اگر کوئی ان کے بچے کے متعلق شکایت کرے تو اس کی اصلاح کی

تجویز کریں۔ اگر بچہ جھوٹ بولتا ہے یا چوری کرتا ہے یا کوئی اور بدی اس میں ہے تو اسے سرزنش کریں۔ لیکن ایسی سختی بھی نہ ہو کہ بچہ ان سے چھپ کر بدی کرنے لگے۔ بعض لوگ اتنی سختی کرتے ہیں کہ بچہ پھر یہ کوشش کرتا ہے کہ میرے عیب کا ماں باپ یا کسی اور کو پتہ نہ لگے۔ اس طرح وہ پوشیدہ عیب کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور ایسے بچوں کے عیوب کی اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہمیشہ اس بات کی بھی نگرانی کرنی چاہیے کہ بچہ چھپ کر عیب نہ کرے۔ تا اس کے عیوب کا پتہ لگتا رہے۔ اور اس طرح بڑی آسانی سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ ہر عیب کس طرح پیدا ہوتا اور اس کس طرح چھڑایا جاسکتا ہے۔ یہ ایک بڑا علم ہے۔ جسے میں اس وقت چھوڑتا ہوں اس وقت جو میں بیان کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ اخلاق اور اعمال کی درستی کے لئے نہ تو بچوں پر سخت پابندی کی جائے کہ وہ کسی سے نہ مل سکیں اور نہ ان کو بالکل آزاد رہنے دیا جائے کہ وہ جو چاہیں کرتے پھریں ان کی کوئی نگرانی نہ کی جائے۔ دوسرے یہ کہ بچوں سے ناجائز محبت بھی نہ کی جائے۔

اس بات کی تفصیل کے بعد اب میں یہ بھی بتلاتا ہوں کہ جہاں اپنے بچوں کی اصلاح کی فکر اور نگہداشت ضروری ہے۔ وہاں دوسرے بچوں کے اخلاق و عادات کی نگہداشت بھی ضروری ہے۔ پس آپ جب تک دوسروں کے بچوں کے اخلاق کی بھی نگرانی نہیں کریں گے۔ اپنے بچوں کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔

عام علاجوں میں سے ایک یہ بھی ہے جو خلیفہ اول بھی فرمایا کرتے تھے کہ بچوں کو بعض مفید فقرے یاد کرا دیئے جائیں۔ جن میں ان کو بتایا جائے کہ ہم یہ کریں گے۔ یہ نہیں کریں گے۔ اس کا بھی بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ دوسری بات جو رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ وہ یہ ہے کہ رات کو سونے سے پہلے دعا کی عادت ڈالی جائے کیونکہ ذکر الٰہی کے بغیر سونا جائز ہی نہیں۔ آنحضرت ﷺ بلا ناغہ آیت الکرسی اور تینوں قل پڑھ کر اپنے بدن پر پھونکا کرتے تھے ا۔ جس بات کو آپ بلا ناغہ کریں وہ سنت کہلاتی ہے۔ پس جس طرح نماز کی سنتیں ضروری ہیں اسی طرح یہ سنت بھی ضروری ہے۔ اور اگر ان کو ترک کرنے میں گناہ ہے تو پھر اس کے ترک کرنے میں بھی گناہ ہونا چاہیے۔ اگر کہا جائے کہ نماز کی سنتوں کے متعلق آنحضرت ﷺ نے خصوصیت سے فرمایا ہے اس لئے وہ ضروری ہیں۔ میں کہتا ہوں سونے سے پہلے دعا کے متعلق بھی آپ نے فرمایا ہے اور ثابت ہے کہ بعض آدمیوں کو آپ نے دعا سکھلائی۔ آخر کسی خاص اہتمام کے ساتھ نہ نماز کی سنتوں کے متعلق آپ نے عام لیکچر دیا اور تاکید کی اور نہ سونے سے پہلے دعا کے متعلق کوئی ایسی

کارروائی کی جس طرح ان سنتوں کے متعلق آپ نے حکم فرمایا۔ اسی طرح اس سنت کے متعلق بھی ثابت ہے کہ آپ نے بعضوں کو دعا سکھلائی اور اس کی تاکید کی۔ تو سونے سے پہلے دعا کرنا اسلام کے ایسے امور میں سے ہے جو ایک مومن کے لئے نہایت ضروری ہے اگر بچوں کو بھی ایک ایک دعا یاد کرا دی جائے اور سونے سے پہلے اس دعا کا پڑھانا شروع کرایا جائے تو اس سے بہت بڑا فائدہ ہو سکتا ہے۔ عیسائیوں میں دیکھا ہے وہ اپنے بچوں کو سونے نہیں دیتے جب تک کہ پہلے ان سے مذہبی دعا نہ کرالیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خواہ بچہ بڑا ہو کر دہریہ ہی کیوں نہ ہو جائے عیسائیت کے احکام کا اس کے دل میں خوف اور ڈر ضرور رہتا ہے۔ لیکن مسلمانوں میں یہ بات نہیں۔

(الفضل ۶ جون ۱۹۲۵ء)

ا۔ بخاری کتاب التفسیر باب فضل المعوذات